ڈاکٹر جمیل جالبی

قلندر بخش جرأت: چند نئے پہلو

جعفر علی حسرتؔ (متوفی: ۱۲۰۶ھ/۹۲-۱۷۹۱) نے جس رنگ سخن کو لکھنؤ و فیض آباد کی تہذیبی فضا کے ساتھ ملا کر نکھارا تھا، جرأت نے اس رنگِ سخن کے سارے امکانات کو تصرف میں لا کر اپنی انفرادیت کی مہر ثبت کر دی اور خود اس رنگ سخن کے نمائندہ بن گئے۔ اس لیے آج ہم جعفر علی حسرت کو بھول جاتے ہیں، جن کا مطالعہ ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں (۱) اور قلندر بخش جرأت ہمیں یاد رہ جاتے ہیں۔

شیخ قلندرؔ بخش جرأت (۱۱۶۲ھ - ۱۲۲۴ھ/ ۴۹-۱۷۴۹-۱۸۰۹ء)، جن کا نام یحییٰ امان، عرفیت قلندر بخش اور تخلص جرأت تھا، دہلی کے رہنے والے تھے۔ اکثر تذکروں میں جرأت کا نام قلندر بخش بتایا گیا ہے جو اس لیے درست نہیں ہے کہ خود جرأت نے اپنے ایک شعر میں اپنا نام یحییٰ امان بتایا ہے:

جرأت کہے تھا کل وہ کسی سے یہ الاماں
جیتا رکھوں نہ مجھ کو جو یحییٰ اماں ملے

جرأت کے شاگرد شاہ حسین حقیقت نے بھی اپنی مثنوی ''ہشت گلزار'' میں یحییٰ امان ہی نام بتایا ہے:

ایسا آوازہ کس کا تھا، سمجھا — یعنی یحییٰ امان جرأت کا
عرف میں نام تھا قلندر بخش — دُرِ معنی سے تھا وہ گوہر بخش (۲)

اس معاشرے کے لیے یحییٰ امان کوئی اجنبی نام نہیں تھا۔ خود نواب آصف الدولہ (م ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء) کا نام بھی مرزا یحییٰ اور عرفیت مرزا امانی تھی۔

جرأت کے والد کا نام حافظ امان تھا (۳)۔ حافظ امان کے والد رائے مان

(۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۹ء) میں نادر شاہ کے حکم سے قتل کر دیے گئے تھے (۴)۔ قلندر بخش جرأت کا خاندان دہلی کا قدیم و معزز خاندان تھا جن کے بزرگ ''دربانی حضور والا'' کے عہدے پر مامور تھے (۶)۔ چاندنی چوک کے پاس کوچہ رائے مان مشہور تھا (۷)۔

جرأت کا سالِ ولادت بھی متعین نہیں ہے لیکن شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تذکرہ طبقات سخن میں، جس کا سال تصنیف ۱۲۲۲ھ ہے، جرأت کی عمر ساٹھ سال بتائی ہے (۸)۔ گویا ۱۲۲۲ھ میں سے ۶۰ گھٹا دیے جائیں تو سالِ ولادت ۱۱۶۲ برآمد ہوتا ہے جس کی مزید تصدیق مصحفی کے قطعہ تاریخ وفات کے اس مصرع سے بھی ہوتی ہے:

ع از قلندر بخش شصت و دو فگن

اس مصرع سے معلوم ہوا کہ وفات کے وقت جرأت کی عمر ۶۲ سال تھی۔ قلندر بخش کے اعداد ۱۲۸۶ میں سے ۶۲ نکالنے سے جرأت کا سال وفات ۱۲۲۴ برآمد ہوتا ہے۔ اس طرح اگر ۱۲۲۴ میں سے ۶۲ نکال دیے جائیں تو سالِ ولادت ۱۱۶۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ وہی سال ہے جو ''طبقات سخن'' سے نکلتا ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں جرأت کا سالِ ولادت ۱۱۶۲ھ متعین کیا جا سکتا ہے۔

جرأت ابھی نوعمر ہی تھے کہ امراء کی خانہ جنگیوں، مرہٹوں کی یورش، جاٹ گردی اور احمد شاہ ابدالی کے پے درپے حملوں سے دلّی ایسی اجڑی کہ اہلِ دہلی کے لیے وہاں رہنا اور زندگی بسر کرنا دشوار ہو گیا۔ ۱۱۷۰ھ/ ۱۷۵۷ء میں ابدالی نے دو ماہ میں دلّی کو دوبار لوٹا اور دہلی والے ایک بار پھر ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت فیض آباد حکومتِ اودھ کا مرکز اور امن و امان کا ایک شاداب جزیرہ تھا جہاں دہلی کے معززین شہر اور اہلِ علم وفن ہجرت کر رہے تھے۔ ابدالی کے ان حملوں کے بعد جرأت کے والد حافظ امان بھی اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے فیض آباد آ گئے۔ جرأت نے اپنی مثنوی ''خواجہ حسن و بخشی طوائف'' میں لکھا ہے:

ہوا تھا شہرِ دہلی جب سے غارت تھی اپنی اس جگہ میں استقامت
فلک نے کر جہاں آباد برباد کہا تھا خوب فیض آباد آباد
تو جو تھے ساکنانِ شہرِ دہلی سکونت ان کی فیض آباد میں تھی(۹)

اس وقت جرأت کی عمر تقریباً بارہ سال تھی جس کی تصدیق مبتلا میرٹھی کے تذکرے طبقات سخن کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ ''بعمر دوازدہ سالگی در لکھنؤ رسیدہ۔''(۱۰)۔ یہیں جرأت کی نشوونما اور تعلیم و تربیت ہوئی (۱۱)۔ لیکن کم عمری کے باوجود وطن کے نقوش تازہ رہے:

اب ہم ہیں اور شام غریبی کی دید ہے مدت سے وہ نظارۂ صبح وطن گیا
(کلیات جرأت، جلد اول، ص ۱۶)

شعروشاعری ہند مسلم تہذیب کے مزاج کا حصہ ہے۔ فیض آباد و لکھنؤ میں بھی اس وقت شاعری کا چرچا عام تھا اور ادبی منظر پر اہلِ دہلی چھائے ہوئے تھے۔ جرأت شاعری کا فطری رجحان لے کر پیدا ہوئے تھے اور شاعری کی دنیا میں کچھ کر دکھانا چاہتے تھے۔ میرحسن نے جن کے تذکرۂ شعرائے اردو کا پہلا نسخہ ۱۱۸۸ھ میں مکمل ہوا، لکھا ہے کہ ''ذوقِ شعر بہ مرتبۂ دارد کہ ساعتے بے فدایش نمی ماند۔''(۱۲) اور ۱۱۹۲ کے نسخے میں لکھا ہے کہ ''شوقِ شعراز حد زیاد دارد...... دیوانۂ فن شعراست کہ گاہے بےفکر نمی ماند۔''(۱۳)

چھٹے اب شعر کہنا کیوں کہ ہم سے آہ اے جرأت مثل ہے دل میں عاشق کے سدا ناسور رہتے ہیں
(ص ۲۸۱)

۱۱۸۸ھ میں، جب میرحسن کے تذکرے کا پہلا نقش تیار ہوا، جرأت کی عمر ۲۶ سال تھی اور وہ اس وقت تک جیسا کہ میرحسن نے لکھا ہے، اپنے معاصرین میں ممتاز ہو چکے تھے (۱۴)۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جرأت کی شاعری کا آغاز پندرہ سولہ سال کی عمر میں ۱۱۷۸ھ / ۶۵-۱۷۶۴ کے لگ بھگ ہو گیا تھا۔ ۱۱۷۹ھ میں شجاع الدولہ اپنا دارالحکومت دوبارہ لکھنؤ سے فیض آباد لے آئے۔ جعفر علی حسرت بھی ۱۱۸۰ھ کے لگ بھگ

فیض آباد آ گئے اور شجاع الدولہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا جو ان کے کلیات میں موجود ہے۔ اس زمانے میں جعفر علی حسرت اپنی فنی و علمی قابلیت اور شاعرانہ صلاحیت اور اپنے رنگ سخن کے باعث اتنے مقبول ہو چکے تھے کہ نئے شاعر ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ اسی زمانے میں فیض آباد ہی میں جرأت نے جعفر علی حسرت کی شاگردی اختیار کی۔ شاگرد ہونے کا واقعہ ۱۱۸۸ھ ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک جرأت کو شعر کہتے ہوئے تین چار سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اپنی غزلوں میں کئی جگہ انہوں نے حسرت کی استادی کا اعتراف کیا ہے:

ہے جو دیوانِ حسرت اے جرأت　　اسی خرمن کا خوشہ چیں ہوں میں

کہے کیوں کر نہ حسرت کے سبب سے یہ غزل جرأت　　کہ فن شعر میں دیکھی ہیں ایسے پیر کی آنکھیں

فقط حسرت کو اے جرأت ہمیں استاد نہیں کہتے　　ہر اک اہلِ سخن ان کے تئیں استاد جانے ہے

۱۱۸۸ھ/ ۷۵-۱۷۷۴ء میں حافظ رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت خان محبت حالت نظر بندی میں فیض آباد لائے گئے اور یہیں وہ بھی جعفر علی حسرت کے شاگرد ہو گئے۔ اس زمانے میں حسرت کے توسط سے جرأت کی ملاقات نواب محبت خاں محبت سے ہوئی اور جرأت ان کے ملازم ہو گئے۔

بس کے گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بُستاں کے　　ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

کیوں نہ جرأت کو محبت سے محبت ہووے　　اُنس وہ شے ہے کہ ہو جس سے بگانا اپنا

شجاع الدولہ کی وفات ۲۴ر ذیقعد ۱۱۸۸ھ/ ۲۹ر جنوری ۱۷۷۵ء کے تقریباً تین ہفتے بعد ۱۲ر فروری ۱۷۷۵ء کو آصف الدولہ میری گھاٹ اور اٹاوہ چلے گئے اور وہاں تقریباً پانچ ماہ گزار کر ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء میں لکھنؤ آ گئے۔ انہیں کے ساتھ یا کچھ عرصے بعد عمالِ سلطنت، متوسلین اور اہلِ فن بھی لکھنؤ منتقل ہونے لگے۔ نواب محبت خاں محبت بھی اٹاوہ ہوتے ہوئے لکھنؤ آ گئے۔ جعفر علی حسرت بھی لکھنؤ آ گئے۔ جرأت اور ان کے دوست خواجہ حسن بھی نواب محبت خاں محبت کے ساتھ تھے۔ جرأت نے لکھا ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا ان کا نمک خوار۔ فیض آباد سے لکھنؤ آنے کا اظہار جرأت نے اپنی طویل مثنوی ”خواجہ حسن

وطوائف بخشی'' میں کیا ہے:

یکایک یوں ہوا کرنا خدا کا	کہ اس بستی کو گردوں نے اجاڑا
حسیں جو جو کہ تھے واں رشکِ مہتاب	اٹاوے کو گئے ہمراہِ نواب
یہ عاصی اپنے تھا نواب کے ساتھ	محبت کا یہ رشتہ جن کے ہے ہاتھ
زہے نواب نامی فخر صائب	وہ ہیں یعنی محبت خان صاحب

لکھنؤ آ کر وہ نواب محبت خاں محبت کے متوسل رہے لیکن ۷-۱۲۰۶ھ میں وہ سلیمان شکوہ سے بھی وابستہ ہو گئے۔ جرأت کے سرپرستوں میں نواب محبت خاں محبت (متوفی ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء) اور مرزا سلیمان شکوہ (متوفی ۲۹ر ذیقعد ۱۲۵۴ / ۲۴ر فروری ۱۸۳۸ء) کے نام نمایاں ہیں۔ دونوں ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ یکتا نے لکھا ہے کہ ''صاحبِ عالم مرزا سلیمان شکوہ بہادر دام ظلہ اور البسیار عزیز می داشت'' (۱۵)۔ قصائد و مدحیہ اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواب احمد علی خاں شمس الدولہ بہادر صولت جنگ کے بھی ملازم رہے (۱۶)۔ محبت خاں محبت سے سلسلۂ ملازمت زیادہ تر رفاقت و دوستی کا تھا۔ کچھ مدد بھی ہو جاتی تھی۔ سلیمان شکوہ سے سلسلۂ ملازمت تاحیات چلتا رہا لیکن اس دربار سے بھی ان کی ضروریاتِ زندگی بمشکل پوری ہوتی تھیں۔ کبھی مہینوں تنخواہ نہ ملتی۔

جرأت اب بند ہے تنخواہ تو کہتے ہیں یہ ہم
کہ خدا دیوے نہ جب تک تو سلیماں کب دے

ایک منظوم مکتوب ''بنام منشی مرزا سلیمان شکوہ'' سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنخواہ کے لیے بار بار منشی کے گھر کے چکر کاٹتے تھے اور وہ وعدہ کے باوجود گھر پر نہیں ملتا تھا۔ جرأت ساری عمر ایک ایسے قدردان کی تمنا کرتے رہے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں لیکن یہ تمنا دل کی دل میں رہی۔ غزل کے ایک قطعہ میں اس کا اظہار کیا ہے:

رشک آتا ہے جب کہے کوئی	میں نے اک قدردان پایا ہے
ہم نے آج تک نہ کوئی شفیق	نے کوئی مہربان پایا ہے

جرأت کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی زبان و ادب، علم طب، عروض و قواعد اور فن شعر سے خوب واقف تھے۔ گاہے گاہے فارسی میں بھی شعر کہتے تھے (۱۷)۔ ان کی مثنویوں میں بھی فارسی اشعار آتے ہیں۔ متعدد رباعیاں بھی فارسی میں کہی ہیں۔ ''کلیات'' میں حضرت علی کی منقبت میں کہا ہوا ترکیب بند بھی فارسی میں ہے (۱۸)۔ علم موسیقی سے بھی خواب واقف تھے اور دستارنوازی پر عبور رکھتے تھے (۱۹)۔ علم نجوم سے بھی واقف تھے (۲۰)۔ مرزا علی لطف نے لکھا ہے کہ ''نجوم میں بھی اس شخص کو دخل تمام ہے، ایسا کہ ایک عالم لکھنؤ کا اس کا منتظرِ احکام ہے۔''(۲۱)۔ قدرت اللہ شوق نے انہیں ''قابل و نہایت اہلِ درد'' لکھا ہے (۲۲)۔ شاہ کمال نے انہیں ''واقف ہر دقیقہ و پُرفن، صاحب طبع، شاہِ ملکِ سخن'' لکھا ہے (۲۳)۔ شاہ کمال قائم چاندپوری کے شاگرد تھے۔ قائم جب لکھنؤ سے جانے لگے تو انہوں نے اپنے شاگرد شاہ کمال کو ہدایت کی ان کے چلے جانے کے بعد جرأت کو اپنا کلام دکھایا کریں کہ ''میاں قلندربخش جرأت درسخن سنجاں و در معنی آفریناں عدیل ندارد۔'' (۲۴)۔ اسی قابلیت کی وجہ سے خود مصحفی نے اکبرعلی اختر کو شاگردی کے لیے جرأت سے رجوع کرنے کے لیے کہا تھا (۲۵)۔

جرأت نابینا تھے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی نابینا نہیں تھے۔ وہ شخص جو علم نجوم، ستارنوازی اور دوسرے علوم پر دسترس رکھتا ہو پیدائشی نابینا نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی کی منقبت میں ایک شعر آتا ہے:

شہا بہ حق محمد و آلہ الامجاد
ہو چشم بھی مری روشن نہ دیکھوں روزِ سیاہ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بینائی روز بروز کمزور ہو رہی تھی اور انہیں بینائی چلے جانے کا خوف تھا۔ میر حسن نے انہیں ''چیچک رو'' (۲۶) بتایا ہے۔ غالبًا بچپن میں چیچک کی وجہ سے ان کی بینائی متاثر و کمزور ہوگئی تھی:

یہی رونا ہے گر منظور جرأت
تو بینائی سے تُو معذور ہو گا

اور پھر وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

جرأت کب نابینا ہوئے؟

سب سے پہلے جس تذکرے میں جرأت کا ذکر آیا ہے وہ میر حسن کا تذکرہ شعرائے اردو ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۸۴ء میں شروع ہوا اور اس کا پہلا مسودہ ۱۱۸۸ھ میں اور دوسرا نظرثانی و اضافہ شدہ مبیّضہ ۱۱۹۲ھ میں مکمل ہوا۔ اس میں جرأت کے نابینا ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تذکرہ ''گلشن سخن'' میں جس کا سالِ تکمیل ۱۱۹۴ھ ہے، نابینا ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تذکرہ ''مسرت افزا'' کا سالِ تکمیل ۱۱۹۵ھ ہے اس میں بھی جرأت کے نابینا ہونے کو کوئی ذکر نہیں ہے۔ تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' ۱۱۹۸ھ میں مکمل ہوا لیکن جرأت کے حالات ۱۱۹۷ھ میں لکھے گئے (۲۷)۔ اس میں بھی جرأت کے نابینا ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ گویا ۱۱۹۷ھ تک وہ بینائی سے محروم نہیں ہوئے تھے۔ مصحفی پہلے تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے جرأت کے نابینا ہونے کی اطلاع ان الفاظ میں دی ہے: ''حیف کہ چشمش در عینِ جوانی بہ یک نگاہ نابینا شدہ۔'' (۲۸)۔ مصحفی کا تذکرۂ ہندی ۱۲۰۱ اور ۱۲۰۹ھ کے درمیان لکھا گیا۔ اس کے ایک معنی یہ ہوئے کہ جرأت ۱۱۹۷ھ کے بعد اور ۱۲۰۱ھ سے پہلے نابینا ہوئے لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مصحفی نے جرأت کا حال اپنے تذکرے میں کب درج کیا تو اس سے نابینا ہونے کے سال کے تعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

شہزادہ سلیمان شکوہ رجب ۱۲۰۵/ مارچ ۱۷۹۰ء میں اودھ آئے۔ تین ماہ تک آصف الدولہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور اس کے بعد انگریزوں کے مشورے پر وظیفہ مقرر کر دیا۔ رجب قمری سال کا ساتواں مہینہ ہے۔ تین مہینے یعنی شعبان، رمضان اور شوال آصف الدولہ نے توجہ نہیں دی۔ ذیقعد میں انگریزوں کے مشورہ پر ذوالحجہ میں سلیمان شکوہ کا وظیفہ مقرر ہوا جو قمری سال کا آخری مہینہ ہے۔ وظیفے کے بعد سلیمان شکوہ نے دربار سجایا اور شعرا و اہلِ فن کو جمع کیا۔ پہلے انشاء اللہ خان انشاء ملازم ہوئے۔ یہ ۱۲۰۶ھ ہو سکتا ہے۔ پھر انشاء کے کہنے سے مصحفی ملازم ہوئے اور ان کی تین چار ماہ بعد جرأت ملازم ہوئے (۲۹)۔ یہ بھی ۱۲۰۶ھ ہوا۔ دہلی کے شہزادے اظفری ۱۲۰۴ھ میں لکھنؤ گئے اور

۱۲۱۱ھ تک وہاں رہے۔ وہ جرأت کو نواجوان نابینا شاعر لکھتے ہیں (۳۰)۔ گویا مصحفی نے ۷-۱۲۰۶ میں جرأت کے حالات قلم بند کیے۔ اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ جرأت ۱۱۹۸ھ اور ۱۲۰۶ھ کے درمیان نابینا ہوئے اور چونکہ مصحفی نے ''در عین جوانی'' کے الفاظ لکھے ہیں اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۱۱۹۸ھ کے لگ بھگ ''بیک نگاہ'' وہ نابینا ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال تھی اور اس عمر کو یقیناً عین جوانی ہی کہا جائے گا۔ بینائی کے جاتے رہنے کا ذکر طرح طرح سے اور بار بار جرأت کی شاعری میں آیا ہے جس کی تہ میں چھپا ہوا شدید احساس محرومی موجود ہے:

بہ حق قرۃ العین نبی اب روشنائی ہو — تمہارا یا علی مداح ہے، جرأت کی آنکھوں میں

غم میں جس پردہ نشیں کے ہم نے آنکھیں کھوئی ہیں — دیکھ شوخی اس نے تصویر اپنی بھجوا دی اب آہ

یاں تلک روئے کہ آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم — رونا آتا ہے ہمیں رونے پہ اپنے یارو

خاک دیکھے گا تری آنکھ میں بینائی نہیں — دید کا طالب ہوں تو ہنس کر کہے جرأت وہ شوخ

جرأت کی ساری زندگی تنگ دستی میں گزری۔ وہ لکھنؤ میں ایک کچے گھر میں رہتے تھے جس کی تصدیق نواب محبت خان کے پوتے نواب چندامیاں کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ''یہاں ایک کچا مکان تھا جس میں ایک چھپر پڑا ہوا تھا۔ میاں جرأت اسی میں رہتے تھے۔ ان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو لڑکی نے اسی مکان میں باپ کو دفن کیا۔ اب نہ قبر ہے، نہ نشانِ قبر، نہ مکان ہے نہ چھپّر۔ ایک افتادہ مکان ہے۔'' (۳۱)۔ جرأت نے لکھنؤ میں ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی۔ شاہ حسین حقیقت کے ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ''درد'' میں مبتلا تھے۔ حقیقت کا وہ قطعہ یہ ہے:

صحتِ جرأت کو اب شہا بخشو تم — ہے درد میں مبتلا، دوا بخشو تم

صدقے سے اس کے اب شفا بخشو تم (۳۲) — جس کے مدفن کی خاک ہے خاکِ شفا

عام طور پر جرأت کا سالِ وفات ۱۲۲۵ھ لکھا جاتا رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلیات ناسخ میں جو قطعہ تاریخ وفات ملتا ہے اس سے ۱۲۲۵ھ برآمد ہوتے ہیں لیکن خود ناسخ کے

ایک اور قطعہ سے سال وفات ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتا ہے:

چو در حُبّ امیر المؤمنین رفت　　شدہ خلد بریں ماورائے جرأت
برائے سالِ تاریخِ وفاتش　　رقم زد کلک ''جرأت ہائے جرأت'' (۳۳)

مصحفی کے تینوں قطعات سے بھی ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتے ہیں (۳۴)۔ شاہ کمال کے اس مصرع ''گفت شاعر وہبی شیریں زباں'' سے بھی سالِ وفات ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ جسونت سنگھ پروانہ کے اس مصرع - کہو ''جنت نصیب جرأت ہے'' سے بھی ۱۲۲۴ھ نکلتے ہیں (۳۵)۔ خیراتی لعل بے جگر، گنگا پرشاد رند اور نوازش لکھنوی کے قطعات سے بھی ۱۲۲۴ھ نکلتے ہیں۔ منشی کریم الدین کے ''طبقات الشعرائے ہند'' میں بھی سالِ وفات ۱۲۲۴ھ دیا گیا ہے (۳۶)۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک سال کا فرق جیسا کہ ناسخ کے ایک قطعہ میں ہے، تاریخ گوئی میں جائز ہے۔ جرأت کا سالِ وفات ۱۲۲۴ھ متعین ہو جاتا ہے۔ اس یارباش اور مجلسی انسان کی عمر کا آخری حصہ محرومیٔ بصارت اور بیماری کی وجہ سے تنہائی میں گزرا جس کا ذکر جرأت نے بعض اشعار میں کیا ہے:

جرأت اک گوشے میں اب تنہا پڑا مرتا ہوں میں
پوچھنے احوال کوئی مرد و زن آتا نہیں

جرأت کے چار اولادیں تھیں۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ ایک بیٹا احمد علی قوّت شاعر تھا جس کا ذکر مصحفی نے ''مہذب الاخلاق، ذہن ذکا او طبع رسا'' (۳۷) کے الفاظ میں کیا ہے اور خود جرأت نے اس کے ایک مصرع پر گرہ لگائی ہے:

جرأت غرض کہ مصرعِ قوّت ہے حسبِ حال　　رنگِ زمانہ نوعِ دگر آئے ہے نظر

دوسرا بیٹا تصدق علی شوکت تھا جس کا ذکر نساخ نے اپنے تذکرے میں کیا ہے (۳۸)۔ ایک اور بیٹا غلام عباس تھا جو ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ولادت و وفات کے قطعاتِ تاریخ کلیات میں موجود ہیں (۳۹)۔ اکلوتی بیٹی قاسم علی مروّت سے

بیاہی گئی تھی (۴۰)۔ جرأت کی والدہ کا انتقال ۱۲۰۹ھ میں ہوا۔ قطعہ تاریخ وفات کلیات میں موجود ہے (۴۱)۔ لیکن جرأت کی اہلیہ کے قطعہ تاریخ وفات نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات جرأت کی وفات کے بعد ہوئی۔

جرأت کی شاعری لکھنؤ میں ویسی ہی مقبول تھی جیسی ایک زمانے میں ان کے استاد جعفر علی حسرت کی شاعری مقبولِ عام تھی اور یہی وجہ ہے کہ حسرت کی طرح جرأت کے شاگردوں کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی (۴۲)۔ اس مقبولیت کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جرأت کا کلام اس وقت کی تہذیبی روح اور معاشرے کی پسند و خواہش کا ترجمان تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ فن شاعری پر پوری دست گاہ رکھتے تھے اور ساتھ ہی اپنے شاگردوں کے کلام کو درست کرنے پر پوری توجہ دیتے تھے۔ شاگردوں کے اصلاحِ کلام کے لیے اتوار اور بدھ کے دن مقرر تھے (۴۳)۔ جرأت اپنے شاگردوں کے کلام پر کتنی محنت کرتے تھے اور خود شاگرد اس اصلاح سے کس درجہ مطمئن تھے اس کا اندازہ شاہ حسین حقیقت کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی مثنوی ''ہشت گلزار'' (۱۲۲۵ھ) میں قلم بند کیا ہے کہ ''اب چونکہ وہ آسمانِ ہنر اور جہانِ علوم اس جہاں میں نہیں رہا جو کلام میں سرتا پا اصلاح دے کر سارے سقم دور کر دیتا تھا اس لیے اگر اب آپ کو میرے کلام میں عاجزی نظر آئے تو میں کیا کروں۔ استاد جرأت مرحوم ہو گئے ہیں۔'' (۴۴)۔ جرأت جس مشاعرے میں جاتے تھے آدھا مشاعرہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے شاگردوں سے بھرا ہوتا (۴۵)۔ اعظم الدولہ سرور نے لکھا ہے کہ ''ماہران ایں فن بہ استادیش معترف۔ مصلح اشعار اکثر سکنائے لکھنؤ ست'' (۴۶)۔ صغیر بلگرامی نے ان کے ۳۳ شاگردوں کی فہرست دی ہے (۴۷)۔ فائق رامپوری نے ۴۶ شاگردوں کی (۴۸) اور ڈاکٹر اقتدا حسن نے ۵۶ شاگردوں کی فہرست دی ہے (۴۹) جس میں شاہ رؤف رافت، مرزا مغل سبقت، حکیم صغیر علی مروت، شاہ کمال الدین کمال، شیخ محمد بخش مہجور، شاہ حسین حقیقت، مرزا احمد قوت، مرزا علی لطف اور شاہ حسن، شاہ ضبط اور محبّ خاں محبت وغیرہ جیسے شعرا، نثر نگار اور تذکرہ

نویسوں کے نام شامل ہیں۔

جرأت سیرت و کردار کے لحاظ سے مرنجاں مرنج، خوش خلق، نیک خو اور رقیق القلب (۵۲) انسان تھے۔ آدابِ محفل اور علم مجلسی سے خوب واقف تھے۔ حافظہ بلا کا تھا۔ جو کچھ کہتے وہ سب یاد رہتا (۵۳)۔ نابینا ہونے کے باوجود آواز سن کر آدمی کو پہچان لیتے خواہ وہ کتنے ہی عرصے بعد ان سے ملا ہو (۵۴)۔ سعادت خاں ناصر نے لکھا ہے کہ نابینا اکثر طبیعت کے ثقیل اور گراں ہوتے ہیں مگر جرأت سبک وضع اور طبیعت رواں رکھتے تھے (۵۵)۔ ملنے جلنے والے انسان تھے اور بصارتِ چشم سے معذوری کے باوجود دوستوں سے ملاقات کے لیے دور دور تک جاتے تھے (۵۶)۔ صلح جو انسان تھے اور ایک ایسے دور میں جب لکھنؤ میں شعرا کے معرکے گرم تھے، وہ ان معرکوں سے الگ تھلگ رہے۔ یکتا نے لکھا ہے کہ وہ اپنے اس مزاج کی وجہ سے عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے۔ ایسے خوش تقریر کہ ان کی بات کسی پر بار نہیں گزرتی تھی۔ صاحبِ عالم مرزا سلیمان شکوہ بھی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے (۵۷)۔ کینہ پروری ان کے مزاج میں نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصحفی سے رنجش ہوئی تو وہ بھی جلد دور ہو گئی:

رنجشیں ایسی ہزار آپس میں ہوتی ہیں دلا وہ اگر تجھ سے خفا ہے تو ہی جا مل کیا ہوا

ظہوراللہ نوا تو بدایوں سے خود کو لکھنوی محفلوں میں جمانے اور امتیاز پیدا کرنے کے لیے آئے تھے لیکن جب معرکہ ہوا تو وہ جرأت کی ہر دل عزیزی، مزاج کی نرمی اور شرافتِ نفس کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ جرأت نے ایک اور شعر میں بھی اپنے اس مزاج کی طرف اشارہ کیا ہے:

دوست ہوں اس کا بھی جو ہو دشمنِ جانی مرا وہ نہیں میں جو کسی کے درپئے آزار ہو

یہی وجہ ہے کہ حاسد بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ انہوں نے ساری عمر اسی مزاج کے ساتھ گزار دی۔ اس سے جرأت کی ایک مختلف تصویر سامنے آتی ہے جو آبِ حیات کی اس جرأت کی قیاسی تصویر سے قطعی مختلف ہے جس میں نابینا جرأت مارنے کے لیے بار بار لاٹھی

اٹھاتے ہیں۔ جرأت کے کردار، سیرت و مزاج کو آپ ان معرکوں میں دیکھ لیجیے جو مصحفی اور
آنوا کے ساتھ ہوئے۔ وہاں بھی خوش خلقی کی یہی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔
مصحفی ۱۱۹۸ھ میں دوسری بار لکھنؤ آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ لکھنؤ پہنچے تو
جرأت کی شاعری کی دھوم چاروں طرف مچی ہوئی تھی اور ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد
لکھنؤ میں موجود تھی۔ مصحفی مزاجاً زود رنج تھے۔ وہ لکھنؤ غلام علی خاں کے ساتھ آئے تھے مگر
جلد ہی ناراض ہو کر دہلی واپس جانے لگے تو محمد حسن قتیل نے انہیں روک لیا اور محمد حیات
بیتابؔ کے ہاں لے گئے جہاں انہوں نے قیام کیا (۵۸)۔ کچھ عرصہ لالہ کانجی مل صبا کے
ہاں بھی مقیم رہے (۵۹)۔ یکتا لکھنوی نے لکھا ہے کہ مصحفی نے ''چوں دید کسے ملتفت
بحالش نمی شود با جرأت طرح خلاف انداختہ تنہا با او و لشکر تلامذہ اش مقابل شد۔'' (۶۰)
مصحفی نے ایک قصیدے میں اپنے لکھنؤ آنے اور یہاں کی محفلوں کا ذکر کیا ہے۔ اس
قصیدے کا نام ''تیغ برّاں'' ہے (۶۱)۔ اس میں واضح طور پر جرأت کی طرف اشارہ کیا ہے
اور بتایا ہے کہ جب جرأت کی خواری ہونے لگی تو عاجز ہو کر انہوں نے صلح کا پیغام دیا:

جب غزل پڑھنے لگے تو بہ گوشِ سامع — رونے اور پیٹنے کی چھٹ نہ کیا ان کا بیاں
نس پہ شاگردوں کی وہ محل ان کی تحسیں — اور سخن ان کے میں یہ سوز کہ خود مرثیہ خواں
آخر کار جو ہونے لگی ان کی خواری — اور ہوئے تیغِ زباں سی مری، جی میں ترساں
مجھ کو پیغام دیا صلح کا عاجز ہو کر — نہیں لازم جو کروں اس کا بہ تفریح بیاں

مصحفی نے جرأت کے پیغام صلح کو ''عاجزی'' قرار دیا ہے حالانکہ یہ عمل جرأت
کی صلح جو طبیعت کے عین مطابق تھا جس کی تصدیق یکتا لکھنوی کے بیان سے بھی ہوتی
ہے۔ جرأت کے مزاج کی نرمی کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ بھی
کرتے تو ان کے مزاج کی خوش طبعی اور لہجے کی شایستگی برقرار رہتی۔

پڑھ غزل اور اپنے تو انداز کی جرأت کہ ہے — اس زمیں میں ریختہ اک شاعر مشہور کا

جرأت کے مزاج کی صلح جوئی و شرافتِ نفسی کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ جب مصحفی

نے اپنے شاگرد اکبر علی اختر کو جرأت سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تو جرأت اختر کو اپنے حلقۂ تلامذہ میں اس وقت تک لینے کو تیار نہ ہوئے جب تک اختر نے مصحفی کا رقعہ پیش نہیں کیا (۶۲)۔ مرزا خانی نوازش کے ایک شاگرد کا تخلص مہر تھا۔ محبت خاں کے بیٹے منصور خاں نے جب شاعری شروع کی تو جرأت نے ان کا تخلص مہر قرار دیا۔ مرزا خانی نوازش نے جرأت سے ''شکایت بے نہایت'' کی تو جرأت نے کہا: مجھے معلوم نہ تھا۔ میں نے فقط مہر و محبت کو مربوط دیکھ کر تخلص اس کا قرار دیا (۶۳)۔ ایک اور واقعہ بھی اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہے۔ امام بخش کشمیری کو اشعارِ اساتذہ جمع کرنے کا شوق تھا۔ ایک دن جرأت سے کہا کہ ایک ایسے شخص کو بھجوا دیں جو ان کے بچوں کو پڑھائے بھی اور تذکرہ مرتب کرنے کا کام بھی کرے۔ جرأت نے شاہ حسین حقیقت کو بھجوا دیا۔ اسی اثنا میں امام بخش کشمیری نے مصحفی کا تذکرہ دیکھنے کو مانگا۔ مصحفی نے اجزائے مسودہ اسے دے دیے۔ کچھ عرصے بعد کسی نے مصحفی کو امام بخش کشمیری کے اس تذکرے کا جزوِ اول لا کر دکھایا۔ مصحفی یہ دیکھ کر بھڑک گئے کہ اس میں آفتاب و آصف کا ترجمہ و کلام ان کے اپنے تذکرے کے مطابق تھا۔ مصحفی نے لکھا کہ ''اصحابِ ثلاثہ'' (یعنی جرأت، حقیقت اور امام بخش کشمیری) کی اس حرکت سے میں اتنا آزردہ ہوا کہ قریب تھا کہ میں ہجو لکھوں لیکن پوچ عبارت و احوال و اشعارِ شعرا دیکھ کر درگزشت کر دیا (۶۴)۔ نظر انصاف سے دیکھا جائے تو اس میں قصور نہ جرأت کا تھا اور نہ حقیقت کا۔ قصوروار تو امام بخش کشمیری تھا یا پھر خود مصحفی جنھوں نے اپنے تذکرے کے اجزاء خود امام بخش کو دیے تھے۔ جرأت نے تو امام بخش کی فرمائش پر اپنے ایک شاگرد شاہ حسین حقیقت کو بھیج دیا تھا۔ اس میں جرأت کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن اس کے باوجود مصحفی نے حقیقت کے ترجمے میں اس بات کو لکھا کہ ''کور مؤصلی کہ بہم سوئے من رود و در باطن ہمیشہ تخم کینہ می کارد''۔ (۶۵) اور ۱۲۰۹ میں جب اپنا تذکرہ کو آخری صورت دی تو اس عبارت کو اسی طرح باقی رہنے دیا جس کے معنی یہ تھے کہ مصحفی کے دل میں کدورت ابھی باقی تھی۔ جرأت کا یہ مزاج نہیں تھا۔ مصحفی اور انشا کے معرکے میں صلح

صفائی کرانے والے بھی جرأت اور اکبر علی اختر ہی تھے (٦٦)۔ کلیات جرأت میں کہیں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملتا جس میں مصحفی کی طرف اظہارِ کدورت کیا گیا ہو جبکہ مصحفی نے ایک غزل میں جرأت اور ان کے استادوں کو ہدف بنایا ہے۔ ''مجمع الفوائد'' (۱۲۲۸ھ) کے اس خط میں جو ''در مدح غایتِ خوش نویسد'' کے زیر عنوان مصحفی نے لکھا ہے، جرأت کے بارے میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔ اس وقت جرأت کی وفات کو چار سال ہو چکے تھے:

''جرأت شاگردِ ہمتایش بہ ایں جرأت چند بار قدم بعرصۂ مکابرہ اش گزاشتہ اما چوں معاویہ از علی شکستِ ہائے فاحشہ خوردہ آخر از حسد قالب تہی کردہ بخاکِ سیہ برابر شدہ''۔ (٦٧)

مصحفی کے مزاج میں کینہ پروری تھی۔ راجپوتوں والا خون تھا۔ لیکن جرأت کے مزاج میں صلح جوئی تھی۔ مزاج کی یہی صلح جوئی اس تنازع میں بھی نظر آتی ہے جو ظہور اللہ خاں نوآ (متوفی ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) سے ہوا تھا (٦٨)۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مولوی مجیب اللہ کے مشاعرے میں اور ایک بار مہراللہ خاں غیور کے مشاعرے میں محمد عظیم تجمل مرثیہ گو، مرزا لطف علی، صاحب گلشن ہند اور مرزا مغل سبقت سے مقابلہ ہوا۔ یہ تینوں شاگردانِ جرأت تھے۔ بظاہر تو مقابلہ شاگردوں سے تھا لیکن بباطن جرأت سے تھا۔ نوآ نے مجمع میں رکیک ہجویں پڑھیں۔ بات اتنی بڑھی کہ شاگردانِ جرأت ان کے دشمن اور قتل کرنے کے درپے ہو گئے لیکن محمد عاشق تصور نے مرزا مغل سبقت سے ان کی صلح کرادی اور نزاع موقوف ہو گیا۔ یہ بات واضح ہے کہ مرزا مغل سبقت سے یہ صلح اپنے استاد جرأت کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ جھگڑا فساد چونکہ جرأت کے مزاج کے خلاف تھا اس لیے یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا حالانکہ نوآ کی ہجو میں گالیاں ہی گالیاں تھیں اور ٹیپ کا مصرع یہ تھا: ''کور بے ایماں حرامی تخت قرم ساق ہے'' جبکہ جرأت کا ٹیپ کا مصرع: ''حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی'' تھا۔ ان دونوں مصرعوں کے لہجے، الفاظ اور مزاج سے نوآ اور جرأت کے مزاج کا فرق سامنے آ جاتا ہے۔ یاتنا نے لکھا ہے کہ نوآ ''زبان گزیدہ (٦٩) رکھتا تھا

لیکن ایسی کوئی بات کسی تذکرے میں جرأت کے بارے میں نہیں ملتی بلکہ ان کے معاصر میر حسن نے انہیں خوش خلق و نیک خو...... دریں نو جوانی بسیار بہ حلم و حیا بسری بُرد۔'' (۷۰) کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ پورے کلیات میں مخمس شہر آشوب در ہجو نو شاعران بالخصوص ظہور اللہ خاں نوآ کے علاوہ صرف یہ ایک شعر ملتا ہے جس میں نوآ کو توا کہا ہے اور وہ بھی شایستگی سے.

لگا کلنک کا ٹیکا جبیں پہ اپنی نوآ   بس ایک نقطے ہی میں ہو گیا نوآ سے توا

جرأت اس دور میں انشا و مصحفی سے مختلف انسان تھے۔ تنگ دستی کے باوجود قانع تھے۔ درباروں سے وابستہ ہونے کے باوجود بے نیاز تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود ملنسار تھے۔ جرأت کا رنگِ سخن اس دور میں اتنا مقبول تھا کہ خود مصحفی کے دیوان سوم میں اس کا گہرا اثر ملتا ہے۔ میر کے لیے جرأت کی شاعری چوما چاٹی کی شاعری تھی لیکن اس وقت کی لکھنوی تہذیب کی روح اس میں بلبل بستاں کی طرح چہک رہی تھی۔ آصف الدولہ جرأت کے دیوان کو ہردم اپنے سرہانے رکھتے اور اس کے مطالعے سے مسرور ہوتے تھے۔ محمد شاہی دور میں شاہ مبارک آبرو کی شاعری غیر معمولی کے جو اسباب تھے وہ اسباب اس دور میں جرأت کی شاعری کے تھے۔

ایک ضخیم کلیات جرأت سے یادگار ہے جس کے متعدد قلمی نسخے آج بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں (۷۱)۔ مطبوعہ صورت میں سب سے پہلے کلام جرأت ''دیوان جرأت'' کے نام سے ۱۲۸۵ھ/ ۹-۱۸۶۸ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ''کلیات جرأت'' کے نام سے مطبع کارنامۂ فرنگی محل لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں شائع ہوا جس میں غزلیات کے علاوہ مخمسات، مسدسات اور رباعیات بھی شامل ہیں۔ لیکن اس میں بھی جرأت کا پورا کلام شامل نہیں ہے۔ نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی نے ''مختار اشعار'' جلد اول میں کلام جرأت کا انتخاب ۱۸۹۷ء میں مدراس سے شائع کیا۔ ۱۹۲۸ء میں حسرت موہانی نے جرأت کا ایک انتخاب شائع کیا جس میں

غزلیات کے علاوہ ۸ رباعیات بھی شامل ہیں۔ یہی انتخاب محمد حسن عسکری کے مضمون ''مزے دار شاعر'' کو بطور مقدمہ شامل کر کے ''میری لائبریری'' نے ۱۹۶۵ء میں لاہور سے شائع کیا۔ جرأت کا کم و بیش پورا کلام پہلی مرتبہ پروفیسر اقتدا حسین نے جدید اصولِ تدوین کے مطابق سلیقے سے مرتب کر کے تین جلدوں میں علی الترتیب ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۵ء میں نیپلز (اٹلی) سے شائع کیا۔ پہلی جلد ۱۰۹۳ غزلیات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں بطور ضمیمہ ۱۳ غزلیں اور ۴۱۳ متفرق اشعار شامل ہیں جن سے غزلیات کی تعداد ۱۱۰۶ ہو جاتی ہے۔ دوسری جلد میں ۴ قصائد، ۴ عشقیہ، ۱۵ ہجویہ اور وصفیہ اور دوسری مثنویوں کے علاوہ ۶ مکاتیبِ منظوم، ۲۴۰ رباعیات، ۴۹ قطعات، ۱۶ مخمس، ۱۴ مسدسات مع واسوخت، ایک ترکیب بند، ۲ ترجیع بند شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایک فالنامہ، ۵ نقلیات، ۲۸ پہیلیاں، ۳۶ رباعیات پیش خوانی مجلس عزا، ۱۴ سلام، ایک تیجا، ایک مہندی، ایک نوحہ، سات مراثی، ایک فاتحہ بھی شامل ہیں۔ جرأت کے اس مطالعے کے لیے میں نے یہی کلیات استعمال کیا ہے۔ میر حسن نے مثنوی ''ہجوِ برسات'' اور ''کھٹمل نامہ'' کا بھی ذکر کیا ہے (۷۲)۔ ''ہجوِ برسات'' کلیات میں شامل ہے لیکن ''کھٹمل نامہ'' نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور مثنوی ''در ہجوِ مرغ بازاں'' کا ذکر بھی آیا ہے لیکن یہ بھی ''کلیات'' میں نہیں ہے (۷۳)۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ تاریخِ ادبِ اردو، جلد دوم، ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۸۷۹-۸۹۹، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء

۲۔ مثنوی ہشت گلزار، شاہ حسین حقیقت، ص ۱۰۶، مطبع مصطفائی لکھنؤ، ۱۲۷۶ھ

۳۔ الف) گلشن سخن، مردان علی خاں مبتلا لکھنوی، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، ص ۹۴، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ۱۹۶۵ء

ب) گلزار ابراہیم، علی ابراہیم خاں خلیل، مرتبہ کلیم الدین احمد، ص ۶۲، دائرہ ادب پٹنہ، سن ندارد

عام رسم تھی اور ہے کہ جب کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا ہو کر مرجاتی ہے تو عورتیں تعویذ گنڈوں اور دعا کے لیے بزرگوں اور فقیروں کے پاس جاتی ہیں اور دعا کے لیے کہتی ہیں۔ بچے کی پیدائش کے بعد، برکتِ عمر کی خاطر، بچے کا نام بھی اسی بزرگ کے نام پر یا اس کی مناسبت سے رکھ دیتی ہیں۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جرأت بھی کسی قلندر/ بزرگ کی دعا سے پیدا ہوئے اور اسی تعلق سے قلندر بخش ان کی عرفیت ٹھہری اور اصل نام خاندانی رواج کے مطابق یحییٰ امان رکھا گیا۔ جرأت کے والد کا نام بھی حافظ امان تھا۔

۴۔ تاریخ محمدی، میرزا محمد معتمد خاں بدخشی دہلوی مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، ص ۱۰۶، شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۵۔ ایضاً، ص ۳۳

۶۔ عمدۂ منتخبہ، میر محمد خان بہادر اعظم الدولہ سرور مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ص ۱۹۲، دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۶۱ء

۷۔ الف) تذکرۂ ہندی، غلام ہمدانی مصحفی، مرتبہ عبدالحق، ص ۶۲-۶۳، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۳ء

ب) مصحفی نے ''عقد ثریا'' میں منیر کے ترجمے میں لکھا ہے: ''حالا در کوچہ رائے مان در دارالخلافۂ شاہجہاں آباد فروکش، مرتبہ عبدالحق، ص ۵۲، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۴ء

۸۔ طبقات سخن، مخطوطہ برلن جرمنی: شیخ غلام محی الدین مبتلا وعشق میرٹھی، ص ۵۸، عکسی نقل مملوکہ، جمیل جالبی،

۹۔ کلیات جرأت، مرتبہ اقتدا حسن، جلد دوم، ص ۱۹، مطبوعہ نیپلز، اطالیہ ۱۹۷۱

۱۰۔ طبقات سخن، مبتلا وعشق میرٹھی، عکسی نقل مخطوطہ برلن (جرمنی)، ص ۱۵۴، مملوکہ جمیل جالبی

۱۱۔ الف) تذکرہ مسرت افزا، امراللہ الہ آبادی، مرتبہ قاضی عبدالودود، ص ۵۴، پٹنہ

ب) تذکرۂ شعرائے اردو، میر حسن مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، ص ۴۵، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۴۰ء

۱۲۔ تذکرہ شعرائے ہندی، میر حسن مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، ص ۳۳۶، اردو پبلشر لکھنؤ، ۱۹۷۹ء

۱۳۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، ص ۴۵، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۴۰ء

۱۴۔ تذکرہ شعرائے ہندی، میر حسن، مرتبہ اکبر حیدری کاشمیری، ص ۹۵، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء

۱۵۔ دستورالفصاحت، احمد علی یکتا، مرتبہ امتیاز علی عرشی، ص ۹۹، ہندوستان پریس رام پور، ۱۹۴۳ء

۱۶۔ دیکھیے مثنوی ''درہجو شدت سرما'' کلیات جرأت، مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسن، جلد دوم، ص ۱۱۹، نیپلز اطالیہ، ۱۹۷۱ء۔ اس کے علاوہ اپنی مثنویوں: کارستانِ الفت، درہجو شدت گرما، درہجو بخیل و ممسک کے آخر میں بھی نواب احمد علی ماں ابن نواب سعادت علی خاں کی مدح میں اشعار ملتے ہیں۔

۱۷۔ روزِ روشن، محمد مظفر حسین صبا، ص ۱۶۶، کتب خانہ رازی، طہران، ۱۳۴۳ھ

۱۸۔ کلیات جرأت، محولہ بالا، جلد دوم، ص ۱۸۶، ۳۰۱

۱۹۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، ص ۴۵، محولہ بالا

۲۰۔ تذکرۂ ہندی، غلام ہمدانی مصحفی، ص ۶۳، محولہ بالا

۲۱۔ گلشن ہند، مرزا علی لطف، ص ۹۱، دارالاشاعت پنجاب، لاہور، ۱۹۰۶

۲۲۔ طبقات الشعرا، قدرت اللہ شوق، ص ۳۰۲، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸

۲۳۔ کلیات شاہ کمال (دیباچہ) مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور، مطبوعہ سہ ماہی صحیفہ،
لاہور، شمارہ ۱۸، ص ۲۳، جنوری ۱۹۶۲

۲۴۔ مجمع الانتخاب، شاہ کمال (دیباچہ) مرتبہ نثار احمد فاروقی (تین تذکرے) ص ۵۴،
مکتبۂ برہان، دہلی، ۱۹۶۸

۲۵۔ تذکرۂ ہندی، مصحفی، ص ۲۵، انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد، ۱۹۳۳ء

۲۶۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، ص ۴۴، محولہ بالا

۲۷۔ گلزار ابراہیم، علی ابراہیم خاں خلیل، مرتبہ کلیم الدین احمد، ص ۶۲، دائرہ ادب پٹنہ، بہار

۲۸۔ تذکرہ ہندی، مصحفی، ص ۶۳، محولہ بالا

۲۹۔ تذکرہ ہندی، ص ۱۲۱، محولہ بالا

۳۰۔ واقعات اظفری، ص ۸۵ بحوالہ تذکرۂ آزردہ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد، ص ۸۱،
انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۷۴ء

۳۱۔ آبِ بقا، خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی، ص ۱۹۴-۱۹۵، لکھنؤ، ۱۹۱۸ء

۳۲۔ دیوانِ حقیقت (قلمی)، مخزونہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی

۳۳۔ دیوان ناسخ مخطوطہ قبل ۱۲۳۶ھ، کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد بحوالہ تحقیقی نوادر،
ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، ص ۲۰۹، اردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء

۳۴۔ کلیات مصحفی، مخطوطہ پنجاب، یونیورسٹی، لاہور

۳۵۔ کلیات جسونت سنگھ پروانہ (قلمی)، مخطوطہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔

وہ قطعہ یہ ہے:

جو کہ کرتا ہے فکر شعر و سخن　　اس زمانہ میں وہ غنیمت ہے
کہ نہ اگلے سے لوگ ہیں باقی　　نہ وہ مجلس ہے اور نہ صحبت ہے
اک سخن گو جو تھا قلندر بخش　　نام جرأت ہے جس کی شہرت ہے
کر گیا کوچ اس مقام سے حیف　　آج منزل نشینِ حسرت ہے (۱۲۲۴ھ)
ہے یہ تاریخ اول اور ثانی　　کہو ''جنت نصیب جرأت ہے'' (۱۲۲۴ھ)

۳۶۔ طبقات الشعرائے ہند، فیلن و منشی کریم الدین، ص ۲۰۶، مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۸۴۸ء

۳۷۔ ریاض الفصحا، غلام ہمدانی مصحفی، ص ۲۶۲، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، ۱۹۳۴ء

۳۸۔ سخن شعرا، عبدالغفور نساخ، ص ۲۵۷، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۸۷۴ء

۳۹۔ کلیات جرأت (جلد دوم) مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسن، ص ۲۱۱ اور ص ۲۲۲۔
یونیورسٹی اورینٹل انسٹی ٹیوٹ نیپلز، اطالیہ 1971

۴۰۔ سخن شعراء، نساخ، ص ۴۲۹، محولہ بالا

۴۱۔ کلیات جرأت (جلد دوم)، ص ۲۲۵، محولہ بالا

۴۲۔ تذکرۂ ہندی، مصحفی، ص ۶۳، محولہ بالا

۴۳۔ مجمع الانتخاب، شاہ کمال، ص ۵۴، محولہ بالا۔ شاہ کمال نے لکھا ہے کہ ''بروزِ اصلاح کہ در ہفتہ دو روز مقرر بود یعنی روز چہارشنبہ و یکشنبہ کہ ہماں شاگردان مجتمع شدہ تصنیفاتِ خود می خوانند و اصلاحِ ہر یک می شد و فقیر ہم در ہر جلسہ غزلہائے خود اصلاح می کنانید۔''

۴۴۔ ہشت گلزار، شاہ حسین حقیقت (قلمی) مخزونہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی

۴۵۔ دستور الفصاحت، احمد علی یکتا مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، ص ۹۹، محولہ بالا

۴۶۔ عمدۂ منتخبہ، نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر سرور، مقدمہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ص ۱۹۲، دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۶۱

۴۷۔ جلوۂ خضر (جلد اول) سید فرزند احمد صفیر بلگرامی ص ۱۳۵ - ۱۳۸، مطبع نور الانوار، آرہ، بہار، ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء۔

۴۸۔ جرأت اور اس کی شاعری، کلب علی خاں فائق رامپوری، مطبوعہ سہ ماہی صحیفہ، لاہور، ص ۵۵-۶۳، لاہور، اپریل، ۱۹۶۲ء

۴۹۔ کلیات جرأت، (جلد سوم)، مرتبہ اقتدا حسن، ص ۳۲-۳۴، محولہ بالا

۵۰۔ تذکرہ طبقات الشعرا، قدرت اللہ شوق، مرتبہ نثار احمد فاروقی، ص ۳۰۲، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء

۵۱۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، ص محولہ بالا

۵۲۔ دو تذکرے: مرتبہ کلیم الدین احمد، ص ۱۷۶-۱۷۷، پٹنہ، بہار، ۱۹۵۹ء

۵۳۔ دستور الفصاحت، ص ۹۹، محولہ بالا

۵۴۔ خوش معرکۂ زیبا، سعادت خاں ناصر، مرتبہ مشفق خواجہ، ص ۲۶۳، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۰ء

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ گلشن ہند، مرزا علی لطف، ص ۹۱، دارالاشاعت پنجاب، لاہور، ۱۹۰۶ء

۵۷۔ دستور الفصاحت، احمد علی یکتا، ص ۹۹، محولہ بالا

۵۸۔ عقد ثریا، مصحفی، دیکھیے ترجمہ بیتاب، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۴ء

۵۹۔ تذکرۂ ہندی، مصحفی، ص ۱۴۱، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۳ء

۶۰۔ دستور الفصاحت، احمد علی یکتا لکھنوی، ص ۹۴، محولہ بالا

۶۱۔ مصحفی اور جرأت، قاضی عبدالودود، ص ۴۱-۵۰، مطبوعہ معاصر، شمارہ ۲، پٹنہ، بہار

۶۲۔ تذکرۂ ہندی، مصحفی، ص ۲۵، محولہ بالا اور خوش معرکۂ زیبا جلد اول، مرتبہ مشفق خواجہ، ص ۲۸۴، محولہ بالا

۶۳۔ خوش معرکۂ زیبا، جلد اول، ص ۲۸۷، محولہ بالا

۶۴۔ تذکرۂ ہندی، مصحفی، ص ۸۶، محولہ بالا

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ خوش معرکۂ زیبا، جلد اول، ص ۳۶۴، محولہ بالا

۶۷۔ مجمع الفوائد، مصحفی (قلمی) ص ۳۴۲، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

۶۸۔ ''نوافخرِ بدایوں بود زائر'' سے ۱۲۴۰ھ برآمد ہوتے ہیں بحوالہ دستورالفصاحت: احمد علی یکتا، ص ۱۰۹، محولہ بالا

۶۹۔ دستورالفصاحت، ص ۱۰۹، محولہ بالا

۷۰۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، ص ۴۵، محولہ بالا

۷۱۔ جائزہ مخطوطات اردو میں مشفق خواجہ نے ۳۳ قلمی نسخوں کی نشاندہی کی ہے، ص ۴۴۰-۴۱۰، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء

۷۲۔ تذکرہ شعرائے اردو، میر حسن، ص ۴۵، محولہ بالا

۷۳۔ کلیات جرأت، جلد سوم، مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسن، ص ۱۲۲، محولہ بالا